ابا کی بختاور

مُحسن علی شامی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ابا کی بختاور

محسن علی شامی

بھکر سے، ایک معصوم دوشیزہ کی حسرتوں کا مآل

دھوپ سمٹ کر دیواروں پر آن ٹھہری تھی۔ بختاور چارپائی پر بیٹھی جامن کے پیڑ میں بسیرا کیے پرندوں کے گھونسلے دیکھ رہی تھی۔

''بختاور! ایسے کیوں بیٹھی ہے؟'' اماں نے چولہے میں آگ جلاتے ہوئے پوچھا تھا۔ دھواں اِدھر اُدھر اُڑتا پھر رہا تھا۔ دھوئیں میں اماں بمشکل نظر آ رہی تھی۔

''اماں جب ہنستی ہوں تو ٹوک دیتی ہو کہ اجنبی لوگ میری آواز نہ سنیں۔ جب روتی ہوں تو تب بھی آپ کو شکایت ہوتی ہے۔'' آواز میں کچھ تھا۔ اماں کے چہرے پر سفیدی پھر گئی۔

''نہیں، نہیں بختاور! وہ تو تیرے ابا گھر ہوتے ہیں تو انہیں اچھا نہیں لگتا یوں کنواری لڑکیوں کا ہنسنا۔'' وہ ہنسی تھی۔

''ابا کو تو تیرا ہنسنا بھی اچھا نہیں لگتا اماں۔'' سچ بات تھی وہ سٹپٹا گئیں۔

''نہیں بیٹا! وہ تو خود میرا دل ہی مُردہ ہو گیا ہے۔ بختاور جب جوان بیٹی گھر میں بیٹھی ہو ناں، تو ہونٹ ہنسی کا ذائقہ بھول جاتے ہیں۔ اللہ کرے تمہارے لیے کوئی اچھا رشتہ آ جائے تو تمہارے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔'' آنکھوں کے کناروں میں آنے والا پانی ہرگز بھی دھوئیں کی وجہ سے نہ تھا۔ بختاور نے آہ کھینچی۔ ایسا لگا برف وجود میں سرایت کر گئی ہو۔

''اماں آپ دس سال سے یہ بات دُہرا رہی ہیں۔ آپ کہتے ہوئے نہیں تھکیں مگر میں سنتے ہوئے تھکنے لگی ہوں۔ پینتیس سالہ لڑکیوں کے لیے شہزادے نہیں آیا کرتے۔ ماؤں کو جھوٹ نہیں بولنا چاہیے۔'' ایسی اُداسی تھی کہ اماں کے دل کو کوئی نوکیلی زہر آلود برچھی چیر گئی تھی۔

''نہیں میری بیٹی! خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ مایوسی گناہ ہے۔ خدا پر یقین رکھنا چاہیے۔'' وہ حرف تسلی تھا تو نا کافی تھا۔ زخم زخم وجود پر نمک ڈالا گیا تھا۔

''اماں خدا نے تو کئی شہزادے بھیجے مگر آپ نے اور ابا نے انہیں ٹھکرا دیا۔ خدا کے حقوق معاف ہو جاتے ہیں۔ بندو کے نہیں ہوتے۔'' مولوی کی بیوی تھیں وہ مگر بیٹی کی دلیلوں کے جواب اُن کے پاس نہیں تھے۔

''بختاور! تجھ سا کوئی بھی نہیں ہے۔ ایسی نیک سیرت، صوم صلوٰۃ کی پابند لڑکیوں کی سارا زمانہ

تعریف کرتا ہے۔'' اتنی کمزور دلیل پر بختاور نے اُن کو غور سے دیکھا اور پھر اُن کے ہاتھ میں پکڑے چمٹے کو۔

''اماں...... زمانہ صرف تعریف کرتا ہے اور جب باتیں گھر بسانے کی ہوتی ہیں ناں تو ایسی لڑکیوں کو گھر کی زینت کوئی نہیں بناتا۔ انہیں دقیانوسی اور جاہل کہا جاتا ہے۔ پھر ایسی لڑکیاں جن کو اُن کے گھر والے 'راہبہ' بنا دیتے ہیں۔ گھروں کی دہلیز پر ہی بیٹھی رہتی ہیں۔ آنکھوں میں خواب لیے کسی شہزادے کی منتظر، جو اُن کے وجود سے سوئیاں نکال کر انہیں 'زندہ' کرے اور شہزادے نہیں آتے۔ وہ پتھر بنی انتظار کرتی رہتی ہیں اور جب بالوں میں چاندی آجاتی ہے تو وہ گھر کے صنم خانوں میں غیرت کے نام پر قید کر لی جاتی ہیں۔''

اماں کے ہاتھ سے چمٹا گر گیا۔ پاؤں پر آبلہ پڑ گیا۔ آنسو کسی مزار پر دعا مانگتے عاجز انسان کی طرح بختاور کی آنکھوں سے گرے تھے۔ اُس نے آنکھیں پونچھنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ اماں چارپائی پر اُس کے ساتھ آن بیٹھیں۔ وہ ننگے پاؤں تھیں۔ بختاور کا دل چاہا انہیں کہے کہ وہ جوتے پہن لیں۔ مائیں ننگے پاؤں اچھی لگتی ہیں اور نہ ہی ننگے 'سر' مگر خاموشی کی ساحرہ چپ سی بیٹھی رہی۔ خاموشی نے انہیں دیکھا اور چپ چاپ اُن کے درمیان پاؤں پسارے بیٹھ گئی۔

مائیں تو بیٹیوں کا سایا ہوتی ہیں۔ مگر زمانے کی دھوپ کبھی بڑی ہی اثر انگیز ہوتی ہے۔ اب وہ دھوپ بختاور پر اثر کرنے لگی تھی۔ انہیں بختاور پر ترس سا آیا۔ وہ کتنی صابر لڑکی تھی، انہوں نے ٹھنڈا سانس لیا۔

''بختاور...... میری بیٹی جلد ہی تیری پھوپو آنے والی ہیں۔ میں اور تیرے ابا اُن سے بات کریں گے۔ اُن کا بیٹا ایم اے پاس ہے، اچھا لڑکا ہے۔''

بختاور نے اس بات پر غور سے اُن کو دیکھا۔ کیسی اُمید تھی اُن کے چہرے پر، وہ چپ رہی۔

☆......☆......☆

اور پھر جب پھوپو آئیں تو ابا اور اماں نے بات کی۔ اُن کی بات سنتے ہی پھوپو بتھے سے اُکھڑ گئیں۔

''بس کر نور محمد! میرا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے اور تیری بیٹی 'بڈھی' روح بنی چوبیس گھنٹے کفن سا سفید دوپٹا

اوڑھے پھرتی ہے۔ شادی کی عمر نکل گئی ہے اب اِس کی، میرے بیٹے پر نظر مت رکھو اب۔''

اور بختاور نے رات کی تاریکی میں بھی اماں اور ابا کے چہرے کو سفید پڑتا دیکھ لیا تھا۔

بختاور کو اُس دن بڑا ہی ترس آیا تھا اپنے والدین پر۔ کاش 'وقت' انسان کی دسترس میں ہوتا...... مگر یہ 'نہیں' ہوتا۔

ابا نے اماں سے کہا تھا کہ سکینہ...... میری باکردار بیٹی کے بارے میں میری بہن کیا کہہ گئی ہے۔ میری بختاور اتنی سلجھی ہوئی اتنی نیک سیرت کیا کسی قابل بھی نہیں؟''

وہ دُکھی ہو کر بولے تھے۔ رات کی چادر آہستہ آہستہ کھسک رہی تھی، تارے روپوش ہونے لگے تھے۔ اماں پھٹ پڑیں۔

''نور محمد...... ساری غلطی تمہاری ہے۔ تم نے میری بیٹی کی زندگی برباد کر دی ہے۔ تم نے اُسے دین کا راستہ دکھایا مگر دنیا کا علم دینا بھول گئے۔ وہ کبھی گھر سے نہیں نکلی۔ وہ اگر اب باہر گئی بھی تو اتنا حوصلہ نہیں کہ خود پر پڑنے والی نظروں کے جواب دے سکے۔ پہلے زمانے میں بھی تو عورتیں تجارت کرتی تھیں۔ اسلام 'رہبانیت' نہیں سکھاتا۔

وہ تم جیسے 'مولوی' ہوتے ہیں جو ایسی جمع تفریق کرتے رہتے ہو۔ ساری زندگی اپنے غصے سے ہم ماں، بیٹی کو ڈراتے رہے۔ مگر یاد رکھنا، تمہارے ڈر سے 'خدا' کا ڈر بہت بڑا ہے۔ بہت سے رشتے آئے مگر تم نے ٹھکرا دیے۔ اتنے عالم بنے پھرتے ہو......

یہ تو جانتے ہو ناں کہ بیٹی کا فرض ادا نہ ہو تو حج بھی قبول نہیں ہوتا۔ تُو نے ہمیں رول دیا۔ میری بختاور کے بالوں میں چاندی اُتر آئی ہے۔'' وہ زمین پر بیٹھی تھیں۔ خاک پر ہاتھ رکھے رات کے آخری پہر کے اِس منظر نے دروازے کا پٹ تھامے کھڑی بختاور کو پتھر کر دیا تھا۔ چادر کی بکل مارے وہ کوئی مردہ وجود کھڑا تھا۔

رات سرسراتی رہی، مولوی نور محمد باہر نکل گئے۔

ہوائیں بین ڈالتی رہیں۔ بختاور نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ وقت نے مولوی نور محمد کے گھر کے سناٹے کو حیرت سے دیکھا۔ پھوپو کی باتوں کی سرگوشیاں اُس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ وہ بہت بہادر تھی، اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آنسو پونچھے رات کے آخری پہر پہلی کے چاند نے اُس اُداس خاموشی کی ساحرہ کو ترحم سے دیکھا تھا۔ وہ ننگے پاؤں آنگن میں چلتی سوچ رہی تھی۔

''شادی نہ ہوئی تو کیا ہوا۔ اچھی لڑکیاں ماں باپ کا بھرم رکھتی ہیں۔ وہ دل مردہ کر لیتی ہیں۔ والدین کے آگے منہ نہیں کھولتیں۔ میں بہت بہادر ہوں...... بہت۔''

جامن کے پیڑ نے حیرت سے اُس بہادر لڑکی کو دیکھا جس کے خیال میں وہ بہادر تھی۔ گھونسلوں میں بیٹھے پرندوں نے ذرا کی ذرا سر اٹھا کر اُسے دیکھا اور پھر سر جھٹک کر منہ پھیر لیا۔ رات بھیگتی رہی۔

☆......☆......☆

فجر کا اُجالا پھیل چکا تھا۔ فضا میں ہوا کی ہلکی ہلکی سی سرسراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ چنبیلی کے پھولوں کے پاس بیٹھی مدھم پڑتی تاریکی میں ہتھیلیاں پھیلائے راز کھوج رہی تھی۔

مولوی صاحب گھر آئے تو انہوں نے سکینہ کو بتایا کہ صوفی صاحب کی بیٹی گھر چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔ سکینہ نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''کسی نیک سیرت پر بہتان باندھنا کتنا بڑا گناہ ہے آپ کو یقیناً علم ہو گا۔ جو لوگ بیٹیوں کو حیوانوں کی طرح گھروں میں باندھ کر رکھتے ہیں ناں، تو بیٹیاں دہلیز پار کر جاتی ہیں۔'' وہ بڑے عالم فاضل نظر آنے لگے تھے۔ چہرے پر عقلمندی کی گہری چھاپ تھی۔

''بیچارے صوفی صاحب! بہت رو رہے تھے۔ لوگ کہتے ہیں اُن کی بیٹی کسی لڑکے کو پسند کرتی تھی اور صوفی صاحب اِس پر رضامند نہ تھے۔''

''اسلام میں تو لڑکی کی پسندیدگی کے متعلق واضح حکم ہے ناں۔ آپ جانتے ہیں ناں کہ حضرت خدیجہؓ نے اللہ کے نبی ﷺ کو پہلے خود ہی نکاح کا پیغام بھیجا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں:۔

- ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
  سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابنِ صفی کی مکمل رینج
- ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

- ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور رژیوم ایبل لنک
- ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- مشہور مصنفین کی کُتب کی مکمل رینج
- ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر مُتعارف کرائیں

تھا۔ اسلام کو 'جبر' کا دین نہیں سمجھنا چاہیے۔ خود کو، فاضل سمجھ کے کنواری لڑکیوں کو گھر بٹھا دینا کہاں کا انصاف ہے؟''

سکینہ نے بہت سمجھ کے جواب دیا تھا۔ نور محمد کے چہرے پر جانے کیا تھا۔ کچھ ایسا جو صرف محسوس کیا جاسکتا ہو۔ سکینہ نے بات جاری رکھی۔

''ہماری بختاور اُس تربیت کے تحت 'چپ' ہے جو ہم نے اُسے دی، ورنہ تو ہمارا یہ فرض تھا، کبھی غور سے دیکھیے گا، بختاور کی آنکھوں میں خالی پن ہے۔ قدم کہیں رکھتی ہے اور پڑتا کہیں ہے۔

وہ ظاہر 'کچھ' نہیں کرتی مگر لہجے کی تھکن صاف محسوس کی جاسکتی ہے۔'' سکینہ جیسے انگاروں پر چل رہی تھی۔ نور محمد جو چپ چاپ تھے اچانک چونک اٹھے۔ بختاور آسمان پر اِدھر اُدھر سرکتے ستاروں کی روشنی میں اُن کے پاس آن کھڑی ہوئی تھی۔ کسی بھٹکی ہوئی روح کی طرح۔

''صابر'' سی بختاور...... بختاور نے ہولے سے سر پر لیا ہوا دوپٹا سرکا دیا تھا۔ پورے چاند کی روشنی میں عکس بہت واضح تھا۔ نور محمد کو لگا جیسے جان نکل رہی ہو۔ ہر طرف خون کی کھٹی باس سی پھیل گئی ہو۔ بختاور کے سر پر بال ایسے لگ رہے تھے جیسے سفید سفید روئی کے گالوں کی سی برف کے دھاگے ہوں۔ وہ بولی تو آواز میں ہجرت زدہ پنچھیوں کی سی کُرلاہٹ تھی۔ اذیت ناک سی۔

''ابا...... میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ مجھے آپ کی عزت، آپ کا بھرم بہت عزیز ہے۔ انسان کیا کرے، وقت نہیں بدل سکتا۔ 'بندے' ہی 'بندوں' کے حقوق معاف کرسکتے ہیں۔ میں نے اپنے حقوق آپ کو معاف کیے ابا۔ میرا خدا بھی آپ کو معاف کرے۔'' وہ جیسے آنکھوں میں کھارے پانیوں کا دریا لیے کھڑی تھی۔ نور محمد نے دیکھا۔ اُن آنکھوں میں تھکن تھی، بے بسی تھی۔ اور خون تھا کسی بالغ عالم شباب کو پہنچنے والی لڑکی کے ارمانوں کا۔

وہ واپس پلٹی۔ ڈھلکتی چادر کو سر پر یوں جمایا۔ جیسے پھندا لگا رہی ہو۔ اور اُس پھندے کی گرہ کا درد نور محمد اپنے گلے پر محسوس کر رہے تھے۔

''ساری زندگی اپنے اصول، قائدے بنا کر اُن کی بھٹی میں جلتا سڑتا رہا، اور آج راکھ راکھ وجود لیے بیٹھا ہوں۔ خدا کو تو راضی کرلوں مگر انسانوں کو راضی کیسے کروں۔ وقت تو بجائی گئی تالی کی آواز ہے۔ جو نہ پلٹتی ہے اور نہ ہی پلٹے گی۔'' سناٹوں نے بے نیازی کا گہرا لبادہ اوڑھ لیا۔

☆......☆......☆

بختاور کو نیند میں چلنے کی بیماری ہے۔ ہر ماہ کی طاق راتوں میں وہ آنگن کی کچی زمین پر چلتی رہتی ہے۔ جب چاند آسمان کی چوکھٹ پر وارد ہوتا ہے تو وہ سمٹ سی جاتی ہے۔ اُسے خوف محسوس ہوتا ہے۔

عمریں ڈھل جاتی ہیں مگر 'کنوارپنے' کا وہ احساس کبھی ختم نہیں ہوتا۔ زرق برق جگنو اُس کے بالوں کی چاندی میں پناہ لینے کے متلاشی نظر آتے ہیں۔ مگر وہ انہیں جھٹک دیتی ہے۔

تنہائی کے دیار میں وہ چلتی چلی جاتی ہے۔ ہر چیز ختم ہوجاتی ہے مگر یہ 'انتظار' باقی رہتا ہے۔ ختم ہی نہیں ہوتا۔ پہلے 'جان' لیتا ہے اور پھر بعد میں 'روح'۔ بیٹیاں ماں باپ کے بھرم رکھتی ہیں۔ اُن کی مجبوری ہوتی ہے۔

بیٹیاں 'امانت' ہیں۔ مگر نور محمد جیسے لوگ یہ 'خیانت' اپنا حق سمجھ کر کرتے ہیں۔ وقت بدلتا جاتا ہے۔

ابا کی بختاور کی نظریں آج بھی دستکوں کی آواز پر ٹھٹک جاتی ہیں مگر وہ ایک بات بھول جاتی ہے کہ شہزادوں کے آنے کے بھی اوقات ہوا کرتے ہیں۔ اگر یہ اوقات گزر جائیں تو پھر فقط انتظار ہی رہ جاتے ہیں۔ لامتناہی...... غیر مختتم......''

لڑکیوں کی دینی و دنیاوی دونوں تعلیمات اہم ہیں۔ ہر وقت کی یہ ہی ضرورت ہے اور ضروری ہے کہ نور محمد جیسے لوگوں کی سوچ بدل جائے۔

ورنہ ہر گھر میں ایک بختاور تنہائیوں کا لبادہ اوڑھے پھر رہی ہوگی۔ رات میں چلنے کی بیماری اُس کا بھی نصیب ٹھہرے گی۔

☆☆......☆☆